﴿وقاتلو ا فی سبیل اللہ الذین یقاتلو نکم﴾(البقرۃ:۱۹٤)
اگر کوئی قوم دوسری قوم کی آزادی، استقلال اور سلامتی کو چیلنج کرے تو ایسی قوم کے سامنے نرمی دکھانا نہ تو مفید ہوتا ہے اور نہ ہی عقل اس کی اجازت دیتی ہے۔اس سلسلے میں قرآن کا ارشاد ہے؛
﴿و قاتلو ھم حتیٰ لاتکون فتنۃ و یکون الدین کلہ اللہ﴾(۳۳)
''ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔''
انسان کی جان، مال، عزت و آبرو سبھی چیزیں اہمیت کی حامل ہیں۔اسلام کا بنیادی مقصد ان کی حفاظت بھی ہے۔نبی کریم ﷺ کو ان چیزوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔کوئی انسان کے عقائد کی اصلاح کرے، انہیں عبادات کا نظام مہیا کرے، لیکن اس معاشرے میں ظلم بھی جاری رہے تو اسے عقائد و عبادات کا مجموعہ تو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ انسانیت کا دین نہیں ہو سکتا۔سورۃ الحدید کی آیت نمبر 25 میں دینِ اسلام کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ:
آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد جہاں لوگوں کو دلائل کے ساتھ ہدایت کی راہ دکھانا تھا، وہاں عدل و انصاف مہیا کرنا اور ظلم پر ڈٹ جانے والوں کے خلاف جہاد کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں شامل تھا۔فرمایا:
﴿لقد ارسلنا رسلنا با لبینٰت و انزلنا معھم الکتٰب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیہ بأ س شدید۔﴾
''یقیناً ہم نے اپنے رسول واضح دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھیجی تا کہ لوگوں میں وہ عدل قائم کریں اور ہم نے لوہا نازل کیا اس میں بڑی سختی (مضبوطی) ہوتی ہے۔''
اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ رسولوں کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ واضح دلائل کی روشنی میں لوگوں کو ہدایت مہیا کریں اور اتنی ہی اہم بات انہیں لوگوں کو عدل مہیا کرنا ہے اور جو لوگ ظلم کا نظام قائم رکھنے پر مصر ہوں اور عدل کے نظام کے قیام میں حائل ہو رہے ہوں، ان کے خلاف لوہا (ہتھیار) استعمال کر کے لوگوں کو عدل مہیا کریں۔
جہاد کا مقصد اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امر واقع ہے کہ اکثر لوگ نفسانی شہوات و خواہشات کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر ان کے اوپر بہیمیت یعنی جانوروں کے اوصاف اور ان کا انداز غالب ہوتا ہے وہ مال اور مقام و مرتبہ اور شیطانی خیالات میں دبے ہوئے ہوتے ہیں۔بعض لوگ اپنے آباؤ واجداد کے طور طریقوں پر سختی سے کاربند رہنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے آباؤ اجداد واضح طور پر گمراہی کی راہ پر چلنے والے تھے۔ان کے دلوں میں ان کی محبت اسی طرح سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے کہ آباؤ اجداد کی محبت کی وجہ سے شرک و گمراہی سے نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔وہ انبیاء کی نصیحت پر بھی کان نہیں دھرتے۔ایسے لوگوں کو گمراہی سے نکالنا آسان نہیں ہوتا۔ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کی رحمت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ہدایت کی کڑوی گولی انہیں ان کی خواہش کے برخلاف بھی کھلائی جائے اور ان کی مرضی کے خلاف ان کے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کیا جائے۔
انبیائے کرام کی تعلیم کے ان منکرین جماعت میں سے ایسے سرکش اور باغی لوگوں کو جنہیں انبیاء کے نسخۂ شفا سے دشمنی

ہو اور ان کی خواہش اور کوشش ہو کہ جس پاک ہستی کو دین حق کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے بھیجا گیا ہے اسے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اللہ تعالیٰ جہاد کے ذریعے چاہتے ہیں کہ جو لوگ انبیاء کی دعوت کو بے اثر کرکے دنیا پر جہالت اور جاہلیت کے فکر اور طرزِ معاشرت کو جاری و ساری رکھنا چاہتے ہیں ان لوگوں کو ان کے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے، ان کا استحصال کیا جائے۔ جسم کے ایک فاسد عضو کو جو باقی جسم کے اعضاء کو زہر آلود کررہا ہو، اسے کاٹ دیا جائے۔ یعنی جاہلیت اور جہالت کے نظام کو قائم رکھنے پر مصر گروہ کو جو باقی معاشرے کو بھی اپنے رنگ میں رنگ کر جاہلیت اور جہالت کے نظام کو قائم رکھنے پر مصر گروہ کو جو باقی معاشرے کو بھی اپنے رنگ میں رنگ کر اسے بھی جہالت کی راہ پر چلانے پر مصر ہو، اسے کاٹ دیا جائے، ان کی جمعیت کو توڑا جائے۔ (۳۴)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا منشاء و اقتضاء یہ ہے کہ نوع انسانی کو احسان کے جلیل القدر مقام کی راہنمائی سے محروم نہ رکھا جائے۔ ظالموں کے ظلم اور تعدی کو روکا جائے۔

بدامنی کا ایک بڑا سبب ظلم و تعدی اور حقوق کی پامالی ہے۔ اگر ظلم کو روکا جائے اور حقوق ادا کیے جائیں تو بدامنی سے بچا جاسکتا ہے۔ لوگوں کی گھریلو زندگی کی اصلاح کی جائے، ان کی سیاسی اور معاشی زندگی میں توازن و اعتدال پیدا کیا جائے، وہ معاشرہ جس میں درندہ صفت انسانوں کی کثرت ہو، اس کی مثال ایسی ہے کہ انسان کے جسم مین ایک زہریلا پھوڑا ہو، اگر اس پھوڑے کا آپریشن کرکے اس کی جڑیں نہ کاٹی جائیں تو اس کا غالب گمان ہے کہ وہ پھوڑا اس کے پورے جسم کے نظام کو مکمل طور پر تباہ کردے اور انسان ہلاکت کا شکار ہوجائے۔ ایسے پھوڑے یا عضو فاسد کو کاٹ دینا عین قرین حکمت و مصلحت ہوتا ہے۔ تکلیف کی تھوڑی مقدار جس کے اختیار کرنے سے کثیر تعداد میں نفع اور فائدہ حاصل ہوتا ہو اس کا اختیار کرنا واجب و لازم ہوتا ہے۔ (۳۵)

یہی حال جہاد کا ہے کہ جہاد اسلامی نقطہ نگاہ سے محض علاقے فتح کرنا اور لوگوں کو اپنے ماتحت بنانا نہیں بلکہ اس کا مقصد دنیا سے ایسی قوتوں کی جڑیں کاٹنا ہے جو پورے معاشرے میں خیر کی بجائے، شر، اللہ کی بجائے شیطان کے مقاصد کو پروان چڑھانے کے کام میں نہ صرف مصروفِ کار رہوتی ہیں بلکہ خیر اور اللہ کے نظام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرکے اسے اختیار کرنے سے لوگوں کو روکتی ہیں اور خیر کی قوتوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی آمد کے وقت عرب میں جو قبائل آباد تھے وہ نیکی کے تصور سے ناآشنا تھے۔ کمزوروں کے حقوق پامال کرنا، کسی کی جان و مال پر ہاتھ صاف کرنا، ظلم و تعدی کرنا، آپس کی لڑائیاں، دوسروں کو پکڑ کر غلام بنالینا، ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ وہ اس صلاحیت سے ہی محروم تھے کہ حق بات اور جھوٹ میں فرق و امتیاز کرسکیں۔ وہ اپنے قبیلہ کے حق میں تعصب کے تحت دوسرے بڑے قبیلہ سے لڑ مرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انہی وجوہ کی بنا پر ان سے جہاد کیا اور جو لوگ ظلم کے اس نظام کے ستون بنے اور اس نظام کو بدلنے کی راہ میں رکاوٹ بلکہ اسے جاری و ساری رکھنے پر بضد تھے ان کے خلاف جنگ کی۔ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی اور ظلم

کو قائم رکھنے پر ان کی ضد اس بات کی متقاضی تھی کہ جب تک ان کو راستے سے نہ ہٹایا جاتا اس وقت تک اللہ کی مخلوق کو ان کے حقوق نہیں مل سکتے تھے اور ظلم کا خاتمہ نہ ہو سکتا تھا۔ لوگوں پر اللہ کی رحمت کی نظر تھی اس لیے اللہ نے چاہا کہ جہاد کے ذریعے ان لوگوں کو ظلم سے نجات دلائے۔ لطف و کرم کا تقاضا تھا کہ جہاد کو مشروع کیا جاتا، اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث پاک میں اس طرح بیان فرمایا کہ؛

بعثت سے قبل عرب اور باقی دنیا کی جو حالت تھی اس کی وجہ سے عرب و عجم اللہ کے غضب اور سخط کے مستحق ہو چکے تھے۔ اس لیے اللہ نے فیصلہ فرمایا کہ جو طاغوتی قوتیں اس وقت برسر اقتدار تھیں انہیں مٹا دیا جائے، چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے دل میں براہِ راست اور صحابہ کرامؓ کے دلوں میں آپ ﷺ کی وساطت سے جہاد فی سبیل اللہ کا شوق اور ولولہ پیدا فرمایا تاکہ اللہ کا ارادہ پورا ہو۔ (۳۶)

گویا جہاد اللہ کی مرضی کو زمین پر غالب و نافذ کرنے کا ذریعہ ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ ملائکہ کی طرح اللہ کے مقدر کیے ہوئے حکم (یعنی دنیا سے ظلم و فساد ختم ہو) کی تنفیذ کے لیے اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ ملائکہ کا کام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں جو فیصلے کرتے ہیں ملائکہ ان پر عمل درآمد کرتے ہیں اور اللہ کے فیصلے کے روبہ عمل ہو جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا طویل اور مسلسل جدو جہد کے نتائج یعنی کائنات کے نظام کے چلانے میں اللہ کی مرضی کا جہاد کے ذریعے سے قیام درحقیقت اللہ کا فعل تھا نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی حیثیت اعضاء و جوارح کی تھی۔ اسی بات کو قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا؛

﴿فلم تقتلوھم و لکن اللّٰہ قتلھم و مارمیت اذرمیت و لکن اللہ رمیٰ ﴾

جب آپ ﷺ نے کفار کی طرف پتھر پھینکے تو یہ پتھر آپ نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے۔

شاہ ولی اللہ نبی اکرم ﷺ کے جہاد کو ظلم کے خاتمے کے لیے اللہ کی رضا و مرضی قرار دیتے ہوئے ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ بادشاہ کی طرف سے ایک شخص مامور ہوتا ہے کہ واجب القتل مجرموں کی گردن اڑانے کا عمل انجام دے۔ جب وہ کسی مجرم کو بادشاہ کے حکم سے قتل کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس سرکاری شخص نے فلاں کو قتل کر دیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کے ذریعے ظلم کے خاتمے کے دوران جو لوگ قتل ہوئے وہ درحقیقت اللہ کے حکم سے قتل کیے گئے۔ قرآن مجید نے اسی کا ذکر اس انداز سے کیا ﴿فلم تقتلوھم و لکن اللہ قتلھم ﴾ ''ان کافروں کو آپ نے تھوڑا قتل کیا ہے، انہیں تو اللہ نے قتل کیا ہے۔''

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرنا اور دین حق کا بول بالا کرنے کے لیے کفار سے لڑنا اللہ کی تدبیر حقانی اور الہام ربانی کی موافقت کرنا ہے۔ اس لیے جہاد کی تیاریوں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا، انسان کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اللہ کا دامنِ عاطفت اس کو گھیر لے اور اللہ تعالیٰ کی اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانپ لیا جائے۔

مستشرقین کی طرف سے یہ تاثر پیدا کیا گیا ہے کہ نبی کریمﷺ کی طرف سے کفار کے خلاف جارحانہ انداز اختیار کیا گیا۔لیکن سچ یہ ہے کہ آپﷺ کی طرف سے کبھی بھی جنگ کا آغاز نہیں کیا گیا۔ اسلام پھیلانے کے لیے جہاد کو ذریعہ نہیں بنایا گیا بلکہ آپﷺ نے اسلامی مملکت کے تحفظ کے لیے ہی ہمیشہ قدم اٹھایا۔

اس کی تفصیل ہمیں رسول اللہﷺ کے زمانے کے حالات سے معلوم ہوجاتی ہے کہ مخالفین ہر وقت اسلامی مملکت کے خاتمے بلکہ نبی کریمﷺ کی شمع حیات کو بجھانے کی سازشوں میں مصروف تھے،مسلمان درحقیقت مدینہ پہنچ کر بھی ہنگامی حالت سے دوچار تھے۔اس کا اندازہ ان حقائق سے کیا جاسکتا ہے کہ جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہﷺ بحفاظت مدینہ طیبہ پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے باہمی مشورہ سے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا جس میں انہوں نے حضور اکرمﷺ کو مدینہ میں پناہ دینے پر ان پر غیض وغضب اور عتاب کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیا جائے ورنہ سخت اقدام کی دھمکی دی۔گویا انہیں مسلمانوں کا وجود مدینہ طیبہ میں بھی گوارا نہ تھا۔ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت سعد بن معاذؓ کا مکہ کے پاس سے گزر ہوا، انہوں نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ماضی میں ان کی صفوان بن امیہ کے ساتھ دوستی ہوا کرتی تھی، اسی حوالے سے سعد بن معاذؓ ان کے ہاں ٹھہرے۔وہ جب طواف کے لیے باہر نکلے تو ان کا ابوجہل سے سامنا ہوگیا اس پر ابوجہل بڑا آگ بگولا ہوا کہ ان لوگوں نے تو مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور تم اسے اپنی حفاظت میں رکھے ہوئے ہو۔پھر کہا بخدا اگر صفوان تیرے ساتھ نہ ہوتا تو اپنے گھر کبھی واپس لوٹ کے نہ جاتا۔(۳۸)

اس سے اہل مکہ کے اس وقت کے غیض وغضب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ جا چکے تھے۔اس وقت بھی مکہ والے چین سے نہ بیٹھے تھے۔اہل مکہ نے تو مدینہ کے آس پاس آباد قبائل میں اہل اسلام کے خلاف دشمنی کی آگ اس حد تک بھڑکا دی کہ مدینہ منورہ میں کئی سال تک راتوں کو پہرہ دیا جاتا تھا۔صحابہ ہتھیار پہن کر سوتے تھے کیونکہ اہل مکہ یا مدینہ کے قرب وجوار سے حملہ کا کسی بھی وقت خطرہ موجود رہتا تھا۔امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے اس زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ آپﷺ ایک رات حملے کے خطرے کے پیش نظر دیر تک جاگتے رہے۔آپﷺ کو آرام کی ضرورت تھی اس پر آپ نے فرمایا ''کاش کوئی صالح شخص رات کو پہرہ دے تاکہ میں آرام کرسکوں، اسی وقت باہر سے ہتھیاروں کے کھٹکنے کی آواز سنائی دی۔آپﷺ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا سعد ابن ابی وقاصؓ ہوں اور میں رات کو پہرہ دینے کے لیے حاضر ہوں۔تب آپﷺ نے آرام فرمایا۔(۳۹)

ان حالات میں اگر آپ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھتے تو اس کا نتیجہ سلطنت مدینہ کی تباہی کے سوا کچھ برآمد نہ ہوتا۔

نبی کریمﷺ کی تمام جنگیں، امن کے قیام، فسادیوں کے خاتمے اور اسلامی مملکت کے خاتمے کے درپے

گروہوں کے خلاف تھیں، مظلوم انسانوں کی مدد اور استحصالی نظام سے چھٹکارا بھی ان جنگوں کا مقصد تھا۔

مدینہ طیبہ میں بھی مسلمان مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ ہجرت کرنے کے باوجود دشمن روز بروز جارحیت کی طرف مائل نظر آرہا تھا۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ کے سامنے صحابہ کرام کی تربیت بھی تھی ۔ یہ کردار و شخصیت سازی کی اس تربیت سے الگ تھی جو مدینہ کے اندر رہتے ہوئے کی جارہی تھی ، اس تربیت کا مقصد صحابہؓ کو مدینہ کے قرب و جوار سے واقف بنانا تھا۔ تاکہ آنے والے دنوں میں جس جنگی تسلسل سے مسلمانوں کو واسطہ پڑنے والا تھا، اس سے بھی عہدہ برآ ہوسکیں۔ اگر یہ تربیت نہ کی جاتی تو صحابہ کو آئندہ چل کر مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔(۴۰)

سریہ عبیدہ بن الحارث کے پس منظر میں جو مقصد دکھائی دیتا ہے ، وہ یہ تھا کہ کفار کے لشکر مدینہ کے قرب و جوار میں گشت کرتے رہتے تاکہ مدینہ کے قریب آباد قبائل کے سامنے اپنی طاقت کا اظہار کرتے رہیں اور ان قبائل کے ساتھ مسلمانوں کا اثر ورسوخ پیدا نہ ہونے دیں۔ ان کی اس طرح کی کاروائیوں سے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اور اسلامی ریاست کی سلامتی کو خطرہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایک دستہ بھیجا تاکہ کفار کے لشکر کو مدینہ کی حدود سے دور رہنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سریہ کو سریۂ عبیدہ بن الحارث یا سریہ رابغ کہا جاتا ہے ۔(۴۱) اس مشن کی ناکامی پر قریش نے ابوجہل کی قیادت میں ایک اور لشکر جو تین سو افراد پر مشتمل تھا روانہ کیا۔ ان لوگوں کو روکنے کے لیے تیس افراد پر مشتمل ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کی روانگی کو سریہ حمزہ بن عبدالمطلب کہا جاتا ہے ۔(۴۲) ، مسلمان ان دنوں میں ابھی بالکل کمزور تھے۔ اور ان کی کمزوری کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا ہے، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہاری کمزوری کی وجہ سے تمہیں اچک نہ لیں۔ ان حالات میں مسلمان اس پوزیشن میں ہی نہ تھے کہ وہ کسی کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرسکیں۔ وہ تو محض اپنے دفاع اور تحفظ کے مسئلے سے عہدہ برآ ہورہے تھے (سیرت خیر الانام، ص:۳۶۵)

غزوہ سفوان یا بدر الاولیٰ کا بنیادی سبب یہ تھا کہ کفار مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو برداشت نہیں کررہے تھے۔ شرارت کے طور پر انہوں نے کرز بن جابر القہری کی قیادت میں ایک چھاپہ مار گروہ روانہ کیا۔ اس جماعت نے مدینہ کی چراگاہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جماعت کوئی مزید کارروائی کرنا چاہتی ہو، اس جماعت کے تعاقب میں ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا، گویا اس مہم کا سبب بھی دشمن کی جارحیت تھی۔ جنگِ بدر سے قبل جو سریات ہوئے ، ان کا سبب یہی تھا کہ اہلِ مکہ اپنے کم ہوتے ہوئے وقار کو سنبھالا دینا چاہتے تھے اور مدینہ کی ریاست کی بڑھتی ہوئی حدود کو روکنا چاہتے تھے۔ وہ مدینہ کی ریاست کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا اپنے دفاع سے بے نیاز رہنا، اپنے وجود کو ختم کرنے کے مترادف تھا۔(۴۴)

جنگ بدر کے بعد بنوقینقاع کا معرکہ پیش آیا۔ اس کا سبب بھی یہودی قبیلہ کی جارحانہ پالیسی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بہت سمجھایا کہ وہ میثاق مدینہ سے بغاوت نہ کریں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ کیا تم ہمیں بھی کفارِ مکہ کی طرح سمجھتے ہو؟ بخدا اگر تم ہم سے لڑو گے تو صحیح معنوں میں مردوں سے لڑو گے۔ ہم لڑنا جانتے ہیں۔(۴۵)

غزوۂ سویق بھی اسی لیے رونما ہوا کہ ابوسفیان نے مدینہ منورہ کے مضافات میں دو مسلمانوں کو شہید کر دیا اور مسلمانوں کے درختوں کو جلا دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ابوسفیان کے تعاقب میں کچھ لوگوں کو بھیجا، (۴۶) غزوہ قرقرۃ الکُدر کا سبب یہ بنا کہ بنوسلیم مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ان کی کسی جارحیت کو روکنے کیلیے نبی کریم ﷺ نے بنوسُلیم کی خیمہ گاہوں کا رخ کیا، لیکن یہ لوگ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ (۴۷)

بنوسلیم نے دوبارہ اسی طرح کی حرکت کی، ان پر دوبارہ لشکرکشی کی گئی، لیکن وہ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اسے غزوہ بنوسلیم ثانی کہا جاتا ہے۔ (۴۸)

غزوۂ ذی امر ربیع الاول ۳ ھ، میں ہوا، اس کا سبب یہ تھا کہ بنوفضان مدینہ منورہ پر چڑھائی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اپنے دفاع کی خاطر آپ ﷺ نے چار سو افراد کے لشکر کے ساتھ ان لوگوں کا تعاقب کیا۔ لیکن یہ لوگ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ (۴۹)

ان تمام مہمات کا بنیادی سبب فسادیوں کو سبق سکھانا تھا۔

۴ ھ میں ابو براء عامر بن مالک بن جعفر ملاعب الاسنۃ الکلابی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنی قوم کیلئے مبلغین بھیجنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ستر تربیت یافتہ صحابہ امیر المنذر بن عمرو الساعدی کی قیادت میں روانہ کیے۔ جب یہ لوگ بئر معونہ پر پہنچے تو اس شخص نے بنوسلیم کے ساتھ مل کر ۶۹ لوگوں کو شہید کر دیا۔ (۵۰)

انہی دنوں عضل القارۃ سے ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آئی اور مبلغین بھیجنے کی درخواست کی۔ ان لوگوں کو رجیع کے مقام پر شہید کر دیا گیا۔ یہ ۷۹ تربیت یافتہ افراد تھے۔ (۵۱)

۴ ھ میں ہی یہود کے قبیلہ بنونضیر نے حضورؐ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ غزوۂ ذات الرقاع بھی اسی انداز سے ہوا کہ بنوغطفان نے مکہ والوں کی مدد کی اور مدینہ پر حملہ کی کوشش کی۔ ان کی اس کوشش کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ نے بنوغطفان کے علاقے کا رخ کیا۔ (۵۲)

دومۃ الجندل کے قبائل نے مسلمانوں کے قافلوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور مدینہ منورہ پر یلغار کی سوچنے لگے۔ ۵ ھ میں نبی کریم ﷺ نے اس علاقے کی طرف گشت کیا اور مدینہ طیبہ پر حملے کو روکنے کا بندوبست کیا۔ مدینہ منورہ پر متوقع حملے کو روکنے اور شاہراہ کو محفوظ بنانے کے بعد آپ مدینہ واپس آگئے۔ (۵۳)

اسی طرح اگر ہم نبی کریم ﷺ کے تمام غزوات و سرایا کا جائزہ لیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سب واقعات قیام امن اور مدینہ کی ریاست جو درحقیقت کلمۃ اللہ کا نشان تھی، اس کی حفاظت کے لیے رونما ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف سے کسی طرح کی پہل نہ تھی۔ عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اگر کوئی قبیلہ نبی کریم ﷺ اور اسلام کو مٹانے کے درپے ہو تو اس کا قلع قمع کرنا ہی عین مصلحت ہے۔ اگر قبیلہ جو اسلام اور حضور ﷺ کی جان کے درپے ہو، اسے چھوڑ دیا جائے تو دنیا کی کسی بھی جنگی ڈکشنری میں اسے حکمت عملی نہیں کہا جاسکتا۔

حوالہ جات

۱۔مسلم امام، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر۱۲۴صفحہ ۶۸۴ مکتبہ دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۲ء

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر۱۰

۳۔ ایضاً، حدیث نمبر۱۱

۴۔ احمد بن حنبل، مسند، صفحہ ۵۱۱ جلد پنجم

ترمذی، جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی تحریم الدماء و الاموال ، حدیث نمبر۲۱۵۹، کتب السنۃ صفحہ:۱۸۶۸

۴a۔ ابن ماجہ، ابواب الفتن ، باب سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، حدیث نمبر۳۹۳۹۔۳۹۴۱، صفحہ ۲۷۱۳

۵۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، بذیل مادہ امن، نشر ادب الحوزہ، قُم ، ایران، ۱۴۰۵ھ، جلد تیرہ، ص:۲۱۔۲۷

۶۔ حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، الفیصل ، لاہور، ۱۹۹۹ ص:۵

۷۔ النمل، ۳۴

۸۔ سلیمان ندوی، سید، سیرت النبی، جلد ہفتم، ص:۴۱، الفیصل ناشران، اردو بازار، لاہور

۹۔ ایضاً، جلد ہفتم، ص:۴۳

۱۰۔ الانعام، ۵۷ ۱۱۔ الاعراف، ۵۴

۱۲۔ آل عمران، ۱۵۴ ۱۳۔ الحدید، ۲

۱۴۔ النساء، ۷۵

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، سلیمان ندوی، سید، تاریخ سندھ، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۵، ص:۳۷۷۔۳۷۹

اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۲۷

سلیمان ندوی، سید، عرب و ہند کے تعلقات، اردو اکیڈی، سندھ کراچی، ۱۹۸۷، ص:۱۷۴۔۱۸۵

آرنلڈ، پریچنگ آف اسلام (اردو ترجمہ، از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، محکمہ اوقاف، لاہور ۱۹۷۲، ص:۲۶۷۔۲۶۸

۱۶۔ الانعام، ۵۷۔ ۱۷۔ البقرۃ، ۴۹

۱۸۔ عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، زیر آیت نمبر۴۰، سورۃ الحج، ص:۴۳۶، مکتبہ الحسن اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء

۱۹۔ کیلانوی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، زیر سورۃ الحج، آیت نمبر۴۰، مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء

۲۰۔ مودودی، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۴۲۶ھ، جلد اول، ص:۱۹۱

۲۱۔اس کے لیے مندرجہ ذیل حوالہ جات کا ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

i۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، کتاب الغارہ والبیات، جلد دوم، ۱۹۹۸ء

ii۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم، ص:۱۲۱

iii۔ دارمی، سنن دارمی، کتاب السیر، باب النھی عن قتل النساء والصبیان، جلد دوم، ص:۳۲۲

iv۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم، ص:۲۱

v۔ مشکوٰۃ کتاب الجہاد، باب القتال فی الجہاد، جلد دوم، ص:۳۸۷

vi۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص:۴۷

vii۔ ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، ص:۱۲۱

viii۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء النبی الی الاسلام، جلد چہارم، ص:۵

ix۔ ابو داؤد سنن، کتاب الجہاد، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار، جلد سوم، ص:۱۲۶

x۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل الاسیر، جلد سوم، ص:۱۳۷

۲۲۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۂ احد، جلد دوم، ص:۱۰۸

a۲۲۔ خالد علوی، انسان کامل، الفیصل، ص:۲۵۹

۲۳۔ ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، جلد چہارم، ص:۵۲۔۵۳

۲۴۔ سورہ محمد، ۳۵

۲۵۔ الممتحنۃ، ۸۔۹

۲۶۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب الجہاد، باب الفارۃ والبیات، جلد دوم، ص:۹۴۸

a۲۶۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم، ص:۱۲۲

b۲۶۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم، ص:۲۱

c۲۶۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، باب القتال فی الجہاد، جلد دوم، ص:۳۸۷

۲۷۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص:۱۲۱

۲۸۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد چہارم، ص:۴۶

۲۹۔

۳۰۔ ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی وصیۃ النبی فی القتال، جلد چہارم، ص:۱۶۲

۳۱۔ الانفال، ۳۹، البقرۃ، ۱۳۹

۳۲۔ النساء، ۷۵

۳۳۔ الانفال، ۳۹

۳۴۔شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ،ص۔۱۲۸، الرحیم اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۸ء

۳۵۔ایضاً

۳۶۔ایضاً

۳۷۔ایضاً

۳۸۔ بخاری، کتاب المغازی، باب نمبر۲، جلد سوم،ص:۵۳

۳۹۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب نمبر۰۷، جلد دوم،ص:۲۲۰

۴۰۔سیرت خیر الانام،ص:۳۴۶

۴۱۔ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد دوم،ص:۷، درالتراث العربی، قاہرہ، مصر،۲۰۰۲ء

۴۲۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔جلد دوم،ص:۲۴۷

۴۳۔سیرت خیر الانام،ص:۳۶۵

۴۴۔ایضاً

۴۵۔ابن ہشام، جلد سوم،ص:۵

۴۶۔ایضاً، جلد سوم،ص:۴۷۔۴۹

۴۷۔ایضاً، جلد سوم،ص:۴۶، ابن سعد جلد دوم،ص:۳۱

۴۸۔ابن سعد، جلد دوم،ص:۳۵۔۳۶، ابن ہشام، جلد سوم،ص:۵۰

۴۹۔ابن سعد، جلد دوم،ص:۳۴

۵۰۔ایضاً

۵۱۔ایضاً

۵۲۔ابن سعد، جلد دوم،ص:۶۲

۵۳۔ایضاً

اسلام کی پُر امن، رواداری پالیسی - بین المذاہب

حُذافہ رفیق*

مذہبی رواداری سے عالم انسانیت کو روشناس کرانے والی ہستی پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی ہے، حضرت محمد ﷺ تاریخ انسانی میں پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے دوسرے مذاہب اور عقائد رکھنے والوں کے ساتھ تحمل و برداشت اور رواداری کا نہ صرف درس دیا بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ آپ کے خلفاء اور آپ کی امت نے غیر مسلموں سے رواداری کے اس سلوک کو ہمیشہ جاری رکھا، اسلام کی چودہ صدیوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ ہماری یہ دنیا جو سائنس، ٹیکنالوجی اور تہذیب و تمدن میں زبردست ترقی حاصل کر چکی ہے اور بظاہر بڑی خوشنما نظر آتی ہے وہ مادی ہوس اور ستمگری کی گرم بازاری کے باعث اندر سے بے چین، بے مزہ اور کھوکھلی ہے، آج کا ستایا ہوا، پریشان حال اور دنیائے ہوس کی چکی میں پسنے والا انسان تحمل و رواداری کو ترس گیا ہے، خصوصیت کے ساتھ مذہب اور عقیدے کی رواداری مفقود نظر آتی ہے۔

اسلام نے مذہبی رواداری کو ایک مکمل ضابطے میں ڈھال کر جبر و اکراہ کی نفی کرتے ہوئے یہ اصول وضع کر دیا کہ مذہب اور عقیدے کے معاملے میں انسان کاملاً اپنی مرضی کا ملک ہے۔ تلوار کی نوک یا جبر و استبداد کے سائے میں مذہب کے پرچار کی مکمل نفی کے اس اصول کو تاریخ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ یوں پیش کیا:

"لا اکراہ فی الدین قدتبین الرّشد من الغیّ فمن یکفر بالطّاغوت و یومن باللّٰہ فقد استمسك بالعروۃ الوثقیٰ لاانفصام لھا و اللّٰہ واسع علیمٌ۔ "(۱)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں، گمراہی ہدایت سے الگ ظاہر ہو چکی ہے۔ پس جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور وہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔''

یعنی اب یہ جبر و اکراہ کا نہیں بلکہ محبت اور مروت کا معاملہ ہے۔ دین اور مذہب کو اکتاہٹ سے نکال کر اپنائیت او الفت کے راستے پر گامزن کر دیا اور پھر یہ دائرہ اخوت و محبت کسی خاص گروہ یا طبقے تک محدود نہیں بلکہ اس کی اُلفتیں ''عالمین'' کے لیے ہیں جس میں زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ اور ساری کی ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے جس کی بابت حکم ہے:

"الخلق کلھم عیال اللّٰہ فاحبھم الی اللّٰہ انفعھم لعیالہ"(۲)

''ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے۔''

مذکورہ فرمان سے یہ تصور اجاگر ہوا کہ اسلام کے نظام اخلاقیات کی بنیاد انسانی آفاقی اور کائناتی اصولوں پر ہے

*لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

کہ کوئی انسان خواہ وہ جس بھی گروہ قبیلے اور خطے سے متعلق ہے نیکی اور بھلائی کا مستحق ہے۔ اسی نیکی اور حسن معاشرت ہی کو اسلام اپنے تصور عدل واحسان میں بھی ملحوظ رکھتا ہے۔

آج کے دور میں جہاں مسلمان گوناگوں مسائل سے دوچار ہیں وہاں بہت بڑا مسئلہ اتحاد بین المذاہب بھی ہے۔ آج انسان انسان کے خون کا پیاسا ہوگیا ہے اور انسانی اقدار کو کھلم کھلا پائمال کیا جارہا ہے۔ دیگر مذاہب کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک تو دور کی بات ہے، ایک ہی مذہب کے پیروکار بھی شرف واحترام آدمیت سے عاری ہیں۔ آج کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، فلسطین اور عراق میں معصوم انسانوں کا بہتا ہوا خون اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کا جرم کیا ہے؟ اور معصوم بچوں کو کیوں ماؤں کی آغوش سے چھینا جارہا ہے؟ عربوں اور اسرائیل کے درمیان اب تک پانچ جنگیں ہوچکی ہیں، لیکن کم وبیش ہر جنگ کے بعد اسرائیل وسیع تر ہوتا گیا اور عرب سکڑتے ہی چلے گئے۔ چشم فلک حیران وششدر ہے کہ یہ وہی عرب ہیں جن کے 313 نہتے افراد نے ایک وقت پر تاریخ انسانی کا رُخ پھیر دیا تھا۔ اُونٹوں کے چرانے والوں نے دین فطرت پر عمل کیا تو مشرق ومغرب کے امام بن گئے۔ روایت ہے کہ ایک اعظم (سکندر اعظم) نے دنیا کو یوں تہہ وبالا کیا کہ اس کے مفتوحہ علاقوں پر ہی سورج طلوع اور غروب ہوتا تھا۔ لیکن اس روایت کو حقیقت کا جامہ پہنایا تو ایک دوسرے اعظم (فاروق اعظم) نے دلیل ونہار اور بحروبر نے دیکھا کہ اس وسعت کی مملکت جو عثمانؓ وعلیؓ اور معاویہؓ کے دور میں معرض وجود میں آئی، دھرتی کے سینہ پر نہ پہلے دیکھنے میں آئی نہ بعد میں۔ نہ صرف دنیا کا ایک عظیم حصہ براہِ راست کشتیاں چلانے والوں کی مملکت بنا بلکہ دنیا کا کوئی ملک اور زمین کا کوئی خطہ ایسا نہ رہا جہاں اذانیں دینے والے نہ پہنچے ہوں۔

آج ہم ذلت ورسوائی سے کیوں دوچار ہیں؟ صرف اس لیے کہ ہم نے نظام عدل وقسد اور دین قیم سے بے وفائی کی، اللہ ورسول کے احکام کو پس پشت ڈالا۔ اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم قرار دیا، اپنے مفادات کو امت کے مفادات سے فائق سمجھا، دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، دین حق کو اپنی مصلحتوں کا پابند بنایا، جان بوجھ کر من مانیاں کیں۔ اور حیرت تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے اور الاعلون سے ساغرون ہوجانے کے بعد بھی کبھی یہ نہ سوچا کہ ہم کیوں خسارے میں جارہے ہیں؟ دینِ قیّم پسپائی میں جاتا رہا، باطل ادیان غالب ہوتے چلے گئے، لیکن ہمارے ماتھے پر کبھی شکن نہ پڑی، جن کو سرنگوں ہونا تھا، وہ سرفراز اور جنہیں سرفراز ہونا تھا وہ سرنگوں، کیسی پستی، کیسا اُلٹ پلٹ!

پھر یہ غیر، یہ تبدیلی اور یہ نشیب وفراز عوام ہی کی بے حسی کی وجہ سے نہ ہوا، بڑے بڑے دانشور، بڑی بڑی دستاروں والے اکثر وبیشتر اسی رو میں بہتے چلے گئے۔ بات کہنے کی نہیں لیکن حقیت سے فرار بھی ممکن نہیں، درویشی و سلطانی دونوں ہی مات کھا گئیں۔ بظاہر کامیاب وکامران، حقیقت میں ناکام ونامُراد۔

آج درحقیقت اسلام کی روح کو سمجھنے والا کوئی نہیں، اور نہ ہی دعوتِ دین کا کام اس جذبہ اور اصول سے سرشار ہے جس کا درس قرآن نے دیا تھا۔ آج انتہا پسندی، بنیاد پرست، بدعات اور فرقہ پرستی نے دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے، جبکہ اسلام تو جبر وتشدد کی سخت مذمت کرتا ہے اور ایسے روادارانہ اور عادلانہ معاشرے کا تصور پیش

کرتا ہے جس میں اکثریت واقلیت کے حقوق مساوی ہیں۔

رواداری ایک محمود صفت ہے کہ اسے اختیار کرنے سے گری ہوئی پست بات اور پست عمل سرزد نہیں ہوتا۔ دشمن کے ساتھ سلوک میں عالی ظرفی، بلند حوصلگی، فراخدلی، خیر خواہی اور درگزر کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کمینگی، دھوکہ دہی اور فریب کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ انسان کسی بری سے بری حرکت کو بھی مردانہ وار برداشت کر کے ٹال دیتا ہے اور اپنے مرتبہ مردانگی سے فروتر سمجھتے ہوئے اس کا نوٹس نہیں لیتا بلکہ احسان نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اسی رواداری اور مروت کی صفت کی بدولت اسلام کافروں اور مشرکوں کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ باطل معبودان کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کرتا ہے۔ اس کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ:

"ولا تبسوّ الذین یدعون من دون اللّٰہ فیسبّو اللّٰہ عدوا بغیر علم "(۳)

رواداری کو ایک کامل اصول اور مکمل دستور کے طور پر اسلام نے دنیا کے سامنے مضبوط بنیاد کے ساتھ پیش کیا، اور اس اعلان کے ساتھ کہ نبی مکرم ﷺ سے لے کر حضرت آدمؑ تک تمام انبیاء ایک ہی شریعت سے منسلک رہے اور ان تمام الہامی مذاہب کی اصل اور حقیقت ایک ہی ہے تو پھر یہ انتشار، دوری، بُعد اور عدم رواداری کا کوئی جواز نہیں۔

"شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوح و الذی اوحینا الیك و ما وصینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔"(٤)

اسلام نے مذہبی رواداری کو ایک مکمل ضابطے میں ڈھال کر جبر واکراہ کی نفی کرتے ہوئے یہ اصول وضع کر دیا کہ مذہب اور عقیدے کے معاملے میں انسان کاملاً اپنی مرضی کا مالک ہے۔ تلوار کی نوک یا جبر واستبداد کے سائے میں مذہب کے پرچار کی مکمل نفی کی۔ اس اصول کو تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے یوں پیش کیا:

"لا اکراہ فی الدین قدتبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطّاغوت و یومن باللّٰہ فقد استمسك بالعروۃ الوثقیٰ لا انضصام لھا واللّٰہسمیع علیم۔"(٥)

اسلام کے نظام اخلاقیات کی بنیادی انسانی، آفاقی اور کائناتی اصولوں پر ہے کہ کوئی انسان خواہ وہ جس بھی گروہ قبیلے اور خطے سے متعلق ہے نیکی اور بھلائی کا مستحق ہے۔ اسلام کی آفاقی واخلاقی تعلیمات نہایت لطیف ہیں۔ آپ ﷺ سے نیکی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا" لا تغضب "(٦) قرآن مجید نے اس کے مقابلے میں عفو ودرگزر اور احسان کی تعلیم دی۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر تم زیادتی کا بدلہ لینا چاہو تو لے سکتے ہو لیکن اگر تم معاف کر دو تو باعث اجر ہوگا (٧) بلکہ بدلہ لینے میں زیادتی کے مطابق بدلہ لو (٨) برائی کو اچھائی اور حسن سلکو سے مٹاؤ نتیجتاً تمہارا بدترین دشمن بہترین دوست بن جائیگا (٩) قرآن یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ اگر تم غلطیاں معاف کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں پر بھی پردہ ڈالیں گے۔ (١٠) لہٰذا قرآن نے اشتعال کا سبب بننے والے کاموں کا سدباب کرتے ہوئے کسی کو گالی دینے سے ممانعت فرمائی (١١) زبان کا غیر ذمہ دارانہ استعمال ممنوع قرار دیا (١٢) غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھنے (١٣) لعنتی کہنے (١٤) تہمت لگانے (١٥) چغلی کرنے (١٦) کسی کا تمسخر

اڑانے (۱۷) دوسرں کو حقیر جاننے (۱۸) بے جا پروپیگنڈہ کرنے (۱۹) افواہیں پھیلانے (۲۰) اور دیگر مشتعل کرنے والی حرکات (۲۱) کی شدت سے ممانعت کی گئی ہے اور یہ اسلام کی پرامن اور روادارانہ پالیسی کے زریں اصول ہیں۔

اسلام فتنہ وفساد کو پسند نہیں کرتا اس کا شاندار عملی نمونہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں موجود ہے۔ قبل از بعثت نبوی ﷺ عربوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے ''حلف الفضول'' کہتے ہیں جو عربوں کے درمیان جنگ روکنے کے لیے ہوا تھا۔ (۲۲) آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر آج بھی مجھے اس معاہدے کے لیے بلایا جائے تو میں حاضر ہوں۔ (۲۳) ''میثاق مدینہ نبی کریم ﷺ کی رواداری پر مبنی حکمت عملی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس معاہدے کے بارے میں محمد حسین ھیکل لکھتے ہیں: '' یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی رُو سے حضرت محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال پہلے انسانی معاشرے مین ایک ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاسل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی، ارتکاب جرم پر گرفت اور مواٴخذہ نے دباوٴ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی، اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔'' (۲۴) ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور کفار کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اس کی شرائط اور جزئیات تو رہیں ایک طرف۔ اس کی کتابت کے وقت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا لکھو: ''**بسم اللہ الرحمن الرحیم**'' اس پر سہیل نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہیں مانتے بلکہ لکھو ''**بسمک اللھمّ**'' امن اور رواداری کے اس پیغمبر اعظم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان کی تجویز کے مطابق ہی لکھ دو۔ چنانچہ ''**بسمک اللھمّ**'' ہی لکھا گیا۔ اسی طرح ''**ھذا ما اصطلح علیہ محمد رسول اللہ**'' یہ وہ (معاہدہ) ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے۔ پر سہیل جو کہ کفار کا نمائندہ تھا پھر بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ یہی تو سارا جھگڑا ہے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو جھگڑا ہی کس بات کا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ ''**انا محمد عبداللہ فاکتب**'' (۲۵) آپؓ یہی لفظ لکھیں کہ ''میں محمد بن عبداللہ ہوں''۔

رواداری اور برداشت کا یہ عظیم منظر انسانی تاریخ میں سیرت طیبہ ﷺ کے علاوہ کہیں اور میسر نہ آسکے گا۔ اسی حوالے سے اس صلح نامہ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں:

"باسمك اللّٰھم ھذا مااصطلح علیه محمد بن عبداللّٰه و سھیل بن عمروا اصطلحا علی وضع الحرب عشرسنین یا من فیھا الناس عیكف بعضھم عن بعض ، علی انه لا اسلال و لا اغلال۔ و ان بیننا عیبة مكفوفة و انه من احب ان یدخل فی عھد محمد و عقدة فعل و انه ما احب ان یدخل فی عھد قریش و عقد ھا فعل انه من اتی محمداً منھم بغیر اذن و لیه رده محمد الیه و انه من اتی قریشاً من اصحاب محمد لم یردوه۔"

''اللہ کے نام سے۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمر نے صلح کی ہے۔ انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی۔ لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی دوسرے پر دست درازی نہیں کرے گا۔ کوئی چوری اور خیانت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ ہم ایک دوسرے کے راز افشا نہیں کریں

گے اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو آپ اسے واپس کر دیں گے اور اگر حضور کے اصحاب سے کوئی آدمی قریش کے پاس آئے گا تو وہ واپس نہیں کریں گے۔''

کیا تاریخ کے ان حقائق سے دنیا آگاہ نہیں کہ اس معاہدے کے بعد جب قبیلوں اور گروہوں کو آزادی میسر آئی کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں دوستی کرلیں تو سب سے پہلے بنوخزاعہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی دوستی کا اعلان کیا تھا۔

"نحن ندخل فی عهد محمد و عده"

آپ ﷺ نے مدینہ المنورہ میں تشریف آوری کے بعد تمام یہودی قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کیے اور دیگر قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔ جن کی اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱۔ اس معاہدے میں شرکت کرنے والے ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۲۔ ہر فرقہ اپنے مذہبی شعائر کسی روک ٹوک کے بغیر ادا کر سکے گا۔

۳۔ ہر فرقہ کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے گا۔

۴۔ ایک دوسرے سے دھوکہ، ظلم اور غدر نہیں کریں گے۔

مذکورہ بالا دفعات ایک خوبصورت اور اعلیٰ معاشرے کی وہ اہم بنیادیں ہیں، جن کی ہر دور میں ضرورت، اہمیت اور افادیت موجود رہتی ہے اور شاید عصر حاضر میں جبکہ لوگ مذہبی تعصبات اور مسلکی تفرقوں سے عاجز آچکے ہیں اور نت نئے کمیشن ان مسائل کے حل کے لیے دنیا میں قائم ہو رہے ہیں، یہ رہنما اور زریں اصول آج بھی تنے ہی موثر اور معتبر ہیں جتنے کہ چودہ سو سال قبل۔ پیغمبر امن و رواداری نے اس سلسلے میں جو اعلیٰ نمونے چھوڑے ہیں وہ قیامت تک دنیا کو دعوت فکر دیتے رہیں گے۔

دوسروں کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے متعدد معاہدے مختلف مذاہب کے ساتھ کیے۔ ان میں میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ کے علاوہ متعدد وہ معاہدات شامل ہیں جو آپ ﷺ نے غیر مسلم قبائل کے ساتھ کیے۔ ان معاہدات کے حوالے سے ایک بات کی وضاحت بڑی اہم ہے کہ یہ تمام معاہدات برابری کی بنیاد پر ہوئے۔ مسلمان اپنے موقف سے دستبردار نہیں ہوئے۔

جنگ خیبر کے بعد کچھ لوگ بے قابو ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو جمع کیا اور فرمایا ''اللہ نے یہ جائز نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو اور ان کے پھل کھاؤ حالانکہ ان پر جو کچھ واجب تھا وہ تمہیں ادا کر چکے ہیں۔''(۲۸)

مذہبی رواداری کا بہترین نمونہ نبی کریم ﷺ نے پیش کیا جس میں کسی رنگ، نسل اور مذہب کی تمیز کو روا نہ رکھا گیا۔ ریاست مدینہ میں ایک شادی شدہ یہودی نے ایک شادی شدہ یہودی سے زنا کیا۔ ملزمان کو نبی کریم ﷺ کی عدالت میں لے جایا گیا۔ نبی مکرم ﷺ مسجد نبوی سے اٹھے، اہل یہود اور ملزمان سمیت از خود ان کی درسگاہ جہاں

تورات کا درس ہوا کرتا تھا تشریف لے گئے اور تورات کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔(۲۹)

اختیارات اور طاقت کے باوجود یہود اور دیگر قبائل کو ان کے مذہب اور رسم و رواج کے مطابق زندگی بسر کرنے کی نہ صرف مکمل آزادی تھی بلکہ اگر کوئی غیر مسلم اور غیر مذہب مسلمانوں کے مقامات مقدسہ پر آجائے تو اسلام اور سیرت سے نہایت خوبصورت رہنمائی ملتی ہے ...... ۹ ہجری کو فتح مکہ کے بعد نجران کا وفد آیا اور انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ صحابہ کرامؓ برہم ہوئے لیکن نبی محتشم ﷺ نے ان صحابہ کو روک دیا اور عیسائیوں نے مکمل سکون کے ساتھ نماز ادا کی۔(۳۰)

تصورات سے آگے بڑھیں تو معاملہ یہی نہیں بلکہ اس سے بھی خوبصورت مثال ملاحظہ فرمائیں: حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں حبشہ سے نجاشی طرف سے ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ بنفس نفیس ان کی خاطر مدارت اور تواضع میں مصروف ہو گئے اور فرمایا ''میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے بڑی مدارت کی تھی میں چاہتا ہوں کہ ان کی خاطر مدارت کر کے انہیں حوصلہ دوں۔''(۳۱)

اسلامی ریاست بلاتمیز رنگ و مذہب تمام طبقات کی جان و مال اور آبرو کی محافظ تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے تاریخی خطبے میں جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی شدت سے تلقین کی تھی۔(۳۲) اسلامی ریاست میں مسلم شہری اور غیر مسلم شہری قوانین میں برابر ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو، جو جزیہ کی وصولی کے لیے مقرر ہوئے تھے رخصت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عبداللہ کان کھول کر میری بات سن، جس نے بھی کسی معاہد یعنی اہل ذمہ پر ظلم کیا یا طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا نقصان پہنچایا یا بغیر رضامندی کے اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کا گریبان پکڑوں گا۔''(۳۳) کیا دنیا کی کوئی تاریخ دوسرے مذاہب کے باشندوں کے ساتھ رواداری کی یہ خوبصورت مثالیں پیش کر سکتی ہے۔ اسلامی تاریخ عہد نبوی ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں داخل ہوتی ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ زخموں کی شدت سے چور ہیں اور فرماتے ہیں: ''میں اپنے بعد خلافت کے منصب پر فائز ہونے والے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وصیت کرتا ہوں کہ اہل ذمہ کے معاہدوں کو پورا کرے، حملہ کی صورت میں اپنی فوجوں سے ان کا دفاع کرے اور ان پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالے۔(۳۴) حضرت عمر فاروقؓ کے بیت المقدس آمد کے موقع پر خلیفہ وقت اور مقامی باشندوں کے درمیان جو معاملات طے پائے اس کی چند شرائط درج ذیل تھیں:

''بسم اللہ الرحمن الرّحیم'' ''یہ امان ان کی جان و مال کے لیے ہے...... ان کی عبادت گاہوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی، دین کے معاملے میں جبر و اکراہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی کو آزار پہنچایا جائے گا۔''

اہل حیرہ سے حضرت خالد بن ولید کے صلح کا معاہدہ درج ذیل تھا: ''میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں جزیہ اور دفاع پر اگر ہم تمہارا دفاع کریں تو ہم جزیہ لینے کے حق دار ہیں اور اگر تمہارا دفاع نہ کریں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق نہیں پہنچتا۔''(۳۵)

خلافت فاروقی میں ایک بوڑھا دروازے پر بھیک مانگ رہا تھا حضرت عمرؓ نے بیت المال کے افسر کو بلایا اور ہدایت کی ''اس کا خیال رکھو بخدا ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے اس کی جوانی کی کمائی سے تو جزیہ

وصول کیا اور بڑھاپے میں ہم نے اسے نظر انداز کر دیا۔''(۳۶)

ملک میں فرقہ وارانہ تشدد کے پیش نظر ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کی ''مسلکی رواداری'' کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ وہ اختلاف کو مخالفت پر محمول کرتے تھے بلکہ اختلاف کو رحمت اور وسعت تصور کرتے وہ کسی کی تذلیل یا تکفیر نہیں کرتے تھے۔ امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا ہم مالکی المذہب کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر امام شافعی لرز گئے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں خود امام مالک کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔'' ہر چند کہ فقہاء کے مابین اجتہادی اختلافات ضرور تھے لیکن وہ کسی بھی مسلک کے علماء آئمہ السنۃ کے مطابق ادا کیے گئے شرع اعمال کے بطلان کے قائل نہ تھے بلکہ ان میں تجوز، تسامح اور رواداری کا معاملہ تھا اور تعصب و افتراق کا شائبہ تک نہ تھا۔(۳۷)

حقوق انسانی، عدم تشدد، جمہوریت، امن، محبت، آزادی اور ''رواداری'' یہ ہیں وہ دلفریب اور خوبصورت نعرے جن کی تخلیق کا آج مغرب دعویدار ہے، اور دنیا کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ شاید موجودہ دور سے قبل دنیا ان تصورات سے آگاہ نہ تھی۔ جبکہ یہ وہ تعلیمات اور نظریات ہیں جو اسلامی ریاست میں آج سے چودہ سو سال قبل دنیا کو عطا کیے گئے۔ لیکن آج یورپ ان نعروں کی آڑ میں دراصل اسلامی معاشرے کی تہذیب اور مذہبی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے ہے۔ مسلمانوں کی اپنے دین سے محبت اور عقائد میں راسخ ہونے کے سبب ان کو بنیاد پرستی کے طعنوں سے اس لیے نوازا جاتا ہے کہ کم فہم اور کوتاہ بین مفکرین دین سے محبت کو ''رواداری'' کے بالکل برعکس جانتے ہیں۔

رواداری اس چیز کا نام نہیں کہ اسلام اغیار کی خواہشات اور ان کے تیار کردہ سانچوں میں خود ڈھلتا جائے اور یہاں تک کہ اپنا تشخص بھی گنوا بیٹھے۔ جیسا کہ لادینیت اور سیکولرازم کی وبا اس وقت پھیل رہی ہے۔ ''رواداری'' کی آڑ میں دینی غیرت و حمیت کا خاتمہ، کفر و شرک کی خباثت اور نجاست کا عام ہونا، شرک و بدعت کا رواج اور الحاد کا فروغ پایا جانا یہ رواداری نہیں اور نہ ہی اسلام ایسی رواداری کا درس دیتا ہے۔ برصغیر میں جب اکبر اعظم نے ایسی ہی ''رواداری'' کی آڑ میں اسلام کے تشخص کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور ''دین الٰہی'' کے نام سے ایک نئے فتنے کو جنم دیا اور کہا گیا کہ گائے کا گوشت حرام ہے۔ سود، جوا اور شراب نوشی حلال ہے، خنزیر کو مقدس سمجھا جانے لگا اور اسلامی شعائر کا مذاق کھلے عام اڑایا جانے لگا تو اس موقع پر شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی نے آگے بڑھ کر اس فتنے کا قلع قمع کیا۔ بقول اقبال:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جن کو خبر دار

اسلام تو افراد اور اقوام کی اصلاح کے لیے وہ عظیم منشور اپنے پہلو میں لیے ہوئے ہے جس سے دنیا نیکی اور محبت کے عنوان اپنا کر سراپا خیر اور امن کا گہوارہ بن جائے۔

"ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن۔"(۳۸)

''بلایئے اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بہت پسندیدہ اور شائستہ انداز میں بحث کیجئے۔''

حوالہ جات

۱۔ البقرة ۲:۲۵۶
۲۔ السیوطی ، الجامع الصغیر ، ۱۱/۲
۳۔ الانعام ۶:۱۰۸
۴۔ الشوریٰ ۴۲:۱۳
۵۔ البقرہ ۲:۲۵۶
۶۔ بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ۹۹/۷
۷۔ النحل ۱۶ : ۱۲۶
۸۔ النحل: ۱۲۶ "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ؛ البقرہ ۲:۱۹۴
۹۔ حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۲۴ "ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔"
۱۰۔ سورۃ النور ۲۴ : ۲۲ "الا تحبون ان یغفر اللّٰہ لکم"
۱۱۔ مسلم ، کتاب البرو الصلۃ ، باب النہی عن السباب ؛ ابو داؤد، ابن ماجہ، کتاب الفتن ، باب سباب المسلم فسوق۔۔۔ ج : ۲، سباب المسلم فسق و قتالہ کفر"
۱۲۔ کتب حدیث میں کتاب الادب اور کتاب البرو الصلۃ کے تحت حفظ اللسان میں تفصیلی احادیث موجود ھیں۔
۱۳۔ بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ۹۹/۷
۱۴۔ مسلم، کتاب البرو الصلۃ، باب فضل الرفق، لاینبغی لصدیق ان یکون لعاناً
(سچے مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی پر لعنت کرے)
۱۵۔ سورۃ النور ۲۴ : ۴،۶، ۱۱، ۱۳، ۵، ۱۶، ۲۳
۱۶۔ سورۃ الحجرات: یٰا یھا الذین اٰمنوا لایسخر قوم من قوم عَسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب۔"
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ سورۃ النساء ۴ : ۱۴۸ ، لا یحب اللّٰہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم ۔ "
۲۰۔ سورۃ النور ۲۴ : ۱۱۔۱۶
۲۱۔ سورۃ الحجرات : ۱۲، یا یھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً۔"
۲۲۔ ابن الاثیر، الجزری ، تاریخ الکامل ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۲......۱۲
۲۳۔ ایضاً
۲۴۔ حسین ھیکل، حیاۃ محمد ﷺ ، مطبعۃ النھضۃ العصریہ، مصر، ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۷۔
۲۵۔ المقریزی، احمد بن علی ، امتاع الاسماع بالرسول من الانباء و الاموال و الحفدۃ والمتاع، دارالانصار، القاھرہ، ۱۹۸۹ء، ۲۲۷/۱
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ دروزہ ، محمد عزہ ، تاریخ بنی اسرائیل فی اسفارھم، منشورات المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۹۶۹ء، ص ۴۴۵

٢٨۔ ابوداؤد، کتاب الخراج، باب التشدید فی جبابة الجزیة، ۴۳۶/۳
٢٩۔ ابن ھشام، السیرۃ النبویة، حجازی ، القاھرہ، ١٩٣٨ء، ١٩٣/٢
٣٠۔ الجوزیہ، ابن قیم، زارد المعاد فی ھدی خیر العباد، موسسة الرسالة ، بیروت، ١٩٨٥ء، ۶٣٠/٣
٣١۔ دحلان ، احمد بن زینی ، السیرۃ النبویة، مطبوعہ، المطبعہ الاھلیہ، بیروت، ١٩٨٣ء، ٢۴٠/٣
٣٢۔ الامام البخاری، صحیح البخاری، باب الخطبة ایام منیٰ، ٢٣۴/١
٣٣۔ ابو یوسف ، الامام، کتاب الخراج، المطبعہ المکتبة السلفیہ، القاھرہ، ١٣١۶ھ، ص ١۵٠
٣۴۔ ایضاً، ص:١۴۶
٣۵۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوك، المطبعة الاستقامہ، القاھرہ، ١٩٣٩ء، ١۶/۴
٣۶۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم، کتاب الخراج، المطبعة السلفیہ، القاھرہ، ١٣١۶ھ، ص ١۶۴
٣٧۔ عبداللّٰہ بن عبدالرحمن الجبرین، الارشاد شرح لمعة الاعتقاد لابن قدامہ، ص۔ ٣۶٨۔٣٧١، دار طیبہ الریاض، س ۔ ن۔
٣٨۔ النحل ١۶: ١٢۵